مولوی محمد ایوب

اگرچہ مولوی صاحب تابعین اور تبع تابعین کے دور کے بہت بعد پیدا ہوئے، لیکن ان قدسی صفات بزرگوں کے حالات کتابوں میں پڑھ کر اور مولوی صاحب کو دیکھ کر یُوں لگتا ہے کہ جیسے مولوی صاحب انہی میں سے ہیں۔ وہی صبر و تحمل، وہی عاجزی، وہی انکسار، وہی شانِ قلندری، وہی جلال، وہی جمال، وہی سادہ زندگی اور حصولِ اکلِ حلال۔ وہی خود تکلیفیں اٹھانا اور دوسروں کا بھلا چاہنا اور ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا۔

قدموں میں ڈھیر اشرفیوں کا لگا ہوا
اور تین دن سے پیٹ پہ پتھر بندھا ہوا
ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر
اپنا یہ حال ہے کہ ہے چولہا بجھا ہوا

مولوی صاحب نے ابتدائی تعلیم رواج کے مطابق آج سے تقریباً نوّے سال پہلے دلّی کی جامع مسجد میں حاصل کی اور پھر خیر آبادی مکتبِ فکر کے ایک بزرگ محمد اسحاق صاحب سے تفسیر وحدیث وفقہ اور علم الکلام کا درس لیا۔ طریقت میں قدم رکھا تو دل کا کنول روشن ہو گیا۔ اب جو کلام پاک کا مطالعہ کرنے لگے تو یوں لگا کہ جیسے اب استاد کوئی اور ہے۔ حرف و لفظ میں روشنی پھیلی تو معنی وسیع سے وسیع تر ہو گئے۔ جب یوں کلام پاک کا مطالعہ کر چکے تو دل میں آئی کہ اس نُور کو عام کیا جائے تا کہ ملّتِ اسلامیہ کے ذہنوں پر حروف و الفاظ اور مطالب و معانی کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں، وہ اُٹھ جائیں۔

کلام پاک کے مطالعے سے کچھ لوگوں پہ شریعت کی راہیں روشن ہوتی ہیں اور کچھ لوگوں پر طریقت کی۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جن پر یہ دونوں راستے بیک وقت روشن ہو جاتے ہیں۔ مولوی صاحب ان قُدسی صفات بزرگوں میں سے تھے، جن پر دونوں راستے روشن تھے۔ مولوی صاحب علمِ

منطق اور علمِ کلام میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ یوں تو ان کا تعلق خیر آبادی مدرسۂ فکر سے تھا لیکن تحصیلِ علم کے بعد انہوں نے اپنی فکر کا ایک نیا راستہ نکال لیا۔ ان کا اندازِ فکر ایک حد تک فخر رازیؒ سے مشابہ تھا۔ مولوی صاحب کی اساسِ فکر قرآنِ حکیم تھی۔ وہ ساٹھ برس تک اس کا مطالعہ کرتے رہے۔ کوئی تفسیر ایسی نہیں تھی، جو اُن کی نظر سے نہ گزری ہو۔ یادداشت ایسی تھی کہ اگر کسی آیت کی تفسیر بیان کرنے لگتے تو کوئی مفسّر ایسا نہیں جس کی رائے، مطالب و معنی کا مولوی صاحب حوالہ نہ دیں اور منطقی انداز سے اس پر جرح و قدح نہ کریں۔ مولوی صاحب اپنے عہد میں امام المتکلمین تھے اور اعلیٰ پائے کے مفسّر بھی۔ مولوی صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ مَیں نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ دوسرے علوم کے حصول میں ضائع کیا، جس کا مجھے بڑا دُکھ ہے۔ اگر میں کلام پاک ہی کا مطالعہ کرتا رہتا تو مجھے سارے علوم یہیں مل جاتے کہ یہ کتاب ساری کتابوں پر بھاری اور اس کا علم سارے علوم کا سرچشمہ ہے۔ اس کے مطالعے سے دِل روشن ہو جاتا ہے اور کائنات کے اسرار و غوامض سامنے آجاتے ہیں۔ وہ پردے جو خالق و مخلوق کے درمیان حائل ہیں، بصیرتِ قرآنی سے کُھلنے لگتے ہیں۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں مُسلمانوں کے انحطاط کا باعث کیا ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا، "جب سے مسلمانوں نے تقلید پر اتفاق کیا اور تدبّر فی القرآن سے ہٹ گئے، وہ ذہنی انتشار کا شکار ہو کر بکھر گئے۔"

بہ بند صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمت قرآن نہ گیری

ساٹھ برس تک وہ کلام پاک کا درس دیتے رہے۔ ان کا انداز خطیبانہ نہ تھا بلکہ مکتب کے استادوں جیسا تھا۔ مولوی صاحب ایک آیت لیتے اور کئی دن اس آیت کے سمجھانے میں گزر جاتے۔ اس آیت کے بارے میں مفسّرین نے جو کچھ کہا ہوتا، وہ بھی بتاتے جاتے۔ کبھی کسی مفسّر سے اتفاق کرتے اور کبھی کسی مفسّر کی رائے کو رد کر دیتے۔ مولوی صاحب مشکل سے مشکل مقامات سے بڑی آسانی سے اپنے سننے والوں کو ساتھ لے کر گزر جاتے۔

مولوی صاحب کی صحبت میں بیٹھنے والے ایک شخص نے بتایا کہ مولوی صاحب سے تفسیر سننے کے بعد یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ آیت اپنا مطلب خود کھولتی چلی جا رہی ہے۔ اگر آپ کی سمجھ میں ان کی بات نہ آئے تو وہ آپ کو پھر سمجھائیں گے۔ اگر آپ کسی بات پر اعتراض کریں

گے تو وہ آپ کی تشفی کریں گے۔ سب سے بڑی بات جو مَیں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ جو لوگ دین سے نابلد ہیں اور دین پر اعتراض کرتے ہیں اور عیسائی مشزیوں اور مبلغین کا جن پر اثر ہوتا ہے وہ مولوی صاحب کی دو چار صحبتوں میں بیٹھ کر کلمہ پڑھ کر اُٹھا کرتے تھے۔ مولوی صاحب ایسے لوگوں کو منطقی انداز سے عقلی دلائل و بُراہین اور قریب کی باتیں بتا کر قائل کیا کرتے تھے۔ ان کا اندازِ بیاں اور ان کا طرزِ استدلال دین داروں سے زیادہ بے دینوں کے لیے سود مند تھا۔ مولوی صاحب چھوٹے چھوٹے مسائل لطیفوں اور مزاحیہ انداز سے حل کر دیا کرتے تھے۔

ایک صاحب نے پوچھا کہ حضرت! السلام علیکم کہنا چاہیے یا سلامٌ علیک۔ مولوی صاحب نے کہا، بھائی مَیں کیا عرض کروں، علماء حضرات خفا ہو جائیں گے۔ بس یہ سمجھ لو کہ کلامِ پاک میں جگہ جگہ سلامٌ علیک آیا ہے اور صرف دو یا تین جگہ السلام علیکم آیا ہے۔

ایک شخص نے کہا کہ حضورؐ پر سلام کھڑے ہو کر بھیجا جائے یا بیٹھ کر؟

مولوی صاحب نے کہا: ''نماز میں اللہ تعالیٰ کی ثنا کھڑے ہو کر کرتے ہو تو میلاد شریف میں حضورؐ کو سلام بھی کھڑے ہو کر بھیجو۔''

ایک صاحب نے کہا: ایک طوائف میلاد کرواتی ہے اور ایک مولوی صاحب بھی اس میں شرکت کرتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا: کیا خبر مولوی صاحب کی نجات اسی سے ہو جائے۔ اللہ اللہ! گناہوں میں ملوث ہوتے ہوئے بھی وہ حضورؐ کو یاد رکھتی ہے کیا خبر کہ کب اُس پر نظرِ کرم ہو جائے۔ اور یہ کہتے ہوئے مولوی صاحب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ایک مرتبہ میں نے مولوی صاحب سے کہا:

''مولوی صاحب، آپ جب کلامِ پاک کی تفسیر کرتے ہیں تو آپ کو اتنی باتیں اور اتنے حوالے کیسے یاد رہ جاتے ہیں۔''

فرمایا: ''میاں، یہ تو خود میری سمجھ میں آج تک نہیں آیا۔ بات یہ ہے کہ ہم کیا اور ہمارا علم کیا۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے، اُدھر سے ہوتا ہے، مولا کا کرم ہے، کوئی کہلواتا ہے تو کوئی کہتا ہے۔''

مولوی صاحب دوہرے ڈیل کے آدمی تھے۔ میانہ قد اور موٹے سستے کپڑے کا کُرتا اور اسی کی شلوار پہنا کرتے تھے۔ قمیص کے بٹن کھلے ہوئے، سر پر کپڑے کی ٹوپی، بڑی بڑی روشن آنکھیں، سفید داڑھی لبیں کتری ہوئیں، پاؤں میں چپل، ہاتھ میں چھڑی۔ پان بہت کھاتے تھے

اور اُگالدان سامنے پڑا رہتا تھا۔

یوں تو مولوی صاحب کے چاہنے والے بہت تھے لیکن کراچی میں ان کے سب سے قریب میرے عزیز اور دوست لطیف محمد تھے اور اسد ملتانی مرحوم کے چھوٹے بھائی اسلم صاحب حکیم محمد سعید صاحب بھی مولوی صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔مولوی صاحب کسی کے گھر کھانا نہیں کھایا کرتے تھے۔ان کے نیازمندوں نے بہت کوشش کی کہ کسی دن مولوی صاحب ان کے ساتھ کھانا کھالیں، لیکن مولوی صاحب ٹال دیا کرتے تھے۔

لطیف صاحب سے وہ دل کھول کر باتیں کیا کرتے تھے۔لطیف صاحب بھی خوب ہیں۔مولوی صاحب ان پر فریفتہ تو مولوی عبدالسلام نیازی ان کے دلدادہ۔جب مولوی صاحب حج کی غرض سے روانہ ہورہے تھے تو لطیف صاحب نے کہا:

''جب آپ سرکارؐ کے دربار میں پہنچیں تو اس عاجز کا سلام عرض کردیجئے گا۔''

مولوی صاحب نے آنکھیں بند کیں اور کہا:''لطیف صاحب! ہم نے حضورؐ کی خدمت میں آپ کا سلام پہنچادیا۔''

مولوی صاحب نے پہلی مرتبہ ایسا کیا ورنہ بے پناہ احتیاط برتا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مَیں دور بیٹھا تھا۔مجھے مضمحل دیکھا تو اپنے پاس بلایا اور ایک وظیفہ بتایا اور یہ فرمایا، اسے پڑھا کرو۔

ملا واحدی صاحب، اللہ بخشے، بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔بڑے بڑے بزرگوں کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ایک مرتبہ مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور مولوی محمد ایوب صاحب کا ذکر چھڑ گیا تو فرمانے لگے۔''میں خواجہ صاحب (خواجہ حسن نظامیؒ) کا مُرید ہوں، وہ طریقت میں میرے استاد ہیں، لیکن شریعت میں میرے استاد مولوی محمد ایوب صاحب ہیں۔مَیں نے ایسا عالم بے بدل اور ایسا عالم باعمل اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔'' فرمایا:

''مولوی صاحب دہلی میں پُرانی ساڑھیوں کا کاروبار کیا کرتے تھے، اگر کوئی مزدور مل گیا تو اُس سے بوجھ اُٹھوالیا، اگر نہ ملا تو بلاتکلف خود اٹھا کر چل دیئے۔انہیں اس بات کا خیال بھی نہ آتا کہ لوگ کیا کہیں گے، کہ اتنا بڑا عالم گٹھر کاندھے پر لادے چلا جارہا ہے۔''

کبھی یہ ہوتا کہ ان کی سمجھ میں کوئی مسئلہ اور اس کا حل آتا تو وہ ساڑھیوں کا یہ گٹھر سڑک

کے کنارے چھوڑ کر واحدؔی صاحب کے یہاں چلے آتے اور انہیں یہ مسئلہ اور اس کا حل بتاتے اور پھر چلے جاتے۔

واحدؔی صاحب اور حکیم محمد سعید صاحب کے برادرِ بزرگ حکیم عبدالمجید صاحب میں یہ طے پایا کہ کسی دن مولوی صاحب کے ساتھ کھانا کھایا جائے۔ مولوی صاحب، حکیم صاحب کے ہاں ہفتہ میں ایک مرتبہ درس دیا کرتے تھے۔ بات یوں شروع ہوئی کہ واحدؔی صاحب نے پوچھا کہ حضرت ہم نے یہ سُنا ہے کہ آپ قورمہ بہت اچھا پکاتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا، ''آپ نے صحیح سُنا ہے۔'' عرض کیا، ''تو کل ہو جائے۔'' مولوی صاحب نے نسخہ لکھوایا اور دوسرے دن سارا سامان آ گیا اور مولوی صاحب نے دو گھنٹے میں قورمہ پکا دیا اور اجازت چاہی۔ حکیم صاحب اور واحدؔی صاحب حیران رہ گئے۔ واحدؔی صاحب نے کہا، ''یہ قورمہ آپ نے کس کے لیے بنایا ہے؟'' فرمایا، ''آپ کی فرمائش پر آپ کے لیے پکایا ہے۔'' عرض کیا، ''کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں کھائیں گے؟'' فرمایا، ''بھئی بات یہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ مَیں اپنے گھر میں مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ کھانا کھایا کرتا ہوں۔ آپ مجھے مجبور نہ کریں، میرے معمول میں فرق آ جائے گا۔'' اور مولوی صاحب رُخصت ہو گئے۔

کراچی میں ایک صوفی صاحب ہیں۔ اللہ والے، روشن ضمیر، مولوی صاحب کے وصال سے کچھ دنوں پہلے وہ بے حد پریشان تھے۔ مَیں ان کا نام نہیں بتاؤں گا (مجھے اجازت نہیں ہے) مجھ پر بے پناہ کرم فرماتے ہیں اور میرے دوست حاجی محمد صدیق صاحب کے یہاں اکثر ان سے مُلاقات ہُوا کرتی تھی۔ مَیں نے صوفی صاحب سے ان کی پریشانی کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگے، برِصغیر کے ایک اور عظیم عالمِ دین اور درویش خُدا مَست رُخصت ہو رہے ہیں۔ دِلّی میں عبدالسلام نیازؔی کی وفات ہو گئی ہے اور ادھر پاکستان میں محمد ایوب صاحب کو بُلاوا آ گیا۔ فرمایا، کل صبح مولوی ایوب میرے پاس آئے تھے اور کہتے تھے کہ:

''صوفی صاحب موت تو برحق ہے اور یہ زندگی میں اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے۔ میرے ذمّے کچھ فرائض ہیں، کچھ لوگوں کا حق ہے، مَیں ان سے فارغ ہونا چاہتا ہوں لیکن موت کا فرشتہ دو دن سے میرے سامنے آ کر کھڑا ہو رہا ہے۔ آپ دُعا کیجیے کہ فی الحال وہ سامنے نہ آئے، دو چار دن کی بات اور ہے۔''

یہ کہہ کر صوفی صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

مولوی محمد ایوب صاحب کا فلیٹ بہت بلندی پر تھا۔ وہ بیمار اور ضعیف تھے۔ اُن کے پَیروں پر سوجن آ گئی تھی۔ ڈاکٹر انہیں سیڑھیوں پر چڑھنے سے منع کرتے تھے، لیکن وہ آخر وقت تک اپنے روز مرّہ کے مشاغل میں مصروف رہے۔ وہ روزانہ دو میل پیدل جاتے اور اپنی پسند کا گوشت لاتے، سودا سلف خریدتے، پھر اپنی دُکان پر آتے، دُکان ہینڈ بیگ اور سُوٹ کیس کی تھی۔ پھر قریب کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے، گھر آتے، کھانا کھاتے اور کلامِ پاک کی تفسیر لکھنا شروع کر دیتے۔

دکان سے صرف اتنا کما کر لاتے، جتنے کی ضرورت ہوتی۔ ہاں اگر ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہوتی تو کچھ وقت اور لگا لیتے۔ مولوی صاحب اپنے خاص دوستوں سے قرض لے کر بیواؤں، بے روزگاروں اور محتاجوں کی مدد کرتے اور قرض کی واپسی کی جو تاریخ مقرر کرتے، اُس تاریخ کو، خواہ انہیں کسی اور سے قرض کیوں نہ لینا پڑے، وعدے کے مطابق یہ رقم واپس کر دیتے۔

❑❑❑

راقم الحروف نے مولوی محمد ایوب کی کتاب ''مقالاتِ ایوبیؒ''، جس کے تین حصے ہیں، اسکین کروانے کے بعد کتابستان ڈاٹ کام پر پیش کر دی ہے۔ کتابستان کا پتہ یہ ہے: www.kitaabistan.com جبکہ فہرست کتب اس لنک پر دیکھی جا سکتی ہے:

http://www.kitaabistan.com/bookslist.htm